دوراستے

مائل خیرآبادی

دو راستے

شوکت کی عمر ۱۲ سال کی ہو چکی تھی۔ اس کے چھوٹے بھائی رحمت کی عمر ۱۱ر سال کی تھی۔ وہ ایک غریب باپ کے بیٹے تھے۔ والدین یعنی ماں باپ غریب تو تھے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ دن بھر محنت کر کے مزدوری سے جو کچھ کماتے صبر وشکر کے ساتھ کھاتے پیتے اور زندگی کے دن کاٹتے، شوکت اور رحمت کو انھوں نے ایک مکتب میں داخل کر دیا تھا۔ اس مکتب میں درجہ ۵ تک پڑھایا جاتا تھا۔ یہ دونوں بچے روزانہ قرآن کی تلاوت کرتے۔ نماز پڑھتے صاف ستھرے رہتے۔ ہمیشہ سچ بولتے اور جب موقع ملتا، مجبوروں کے کام آتے۔ لوگ ان دونوں کو بہت نیک سمجھتے تھے۔ والدین بھی ان سے بہت خوش تھے۔

دونوں نے ایک ساتھ مکتب کی تعلیم ختم کی۔ دونوں بڑے محنتی تھے۔ مکتب میں اچھے نمبروں سے پاس ہوئے۔ لوگوں نے رائے دی کہ انھیں شہر میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا جائے۔ والدین یہ سوچ رہے تھے۔ شہر کا خرچ وہ کیسے برداشت کر سکیں گے؟ انھیں یہ بھی ڈر تھا کہ شہر میں جا کر بچوں کی عادتیں خراب ہو جائیں گی۔ وہاں دوسروں کی دیکھا دیکھی کھیل تماشوں میں پڑ جائیں گے۔ بُرے لڑکوں میں پڑ گئے تو یہی اچھے لڑکے بُرے بن جائیں گے۔

یہ ساری باتیں سوچ کر شوکت کے والدین نے طے کیا کہ ان کی پڑھائی ختم کر دی جائے اور ان کو کوئی ہنر سکھایا جائے یا تجارت کرائی جائے۔ اُن کا خیال تھا کہ جہاں تک اسلام کی تعلیم، یعنی بنیادی عقیدوں کی بات ہے، دونوں مکتب میں پڑھ چکے۔ اب اگر انھیں یاد رکھیں گے اور انہی کے مطابق اپنی زندگی گذاریں گے تو ایک اچھے انسان اور پکّے مسلمان بنے رہیں گے۔

اب سنئے۔ یہاں والدین نے یہ طے کیا۔ وہاں شہر میں بچوں کی خالہ رہتی تھیں۔ وہ اچھی خاصی مالدار اور کھاتی پیتی تھیں۔ ان کے شوہر ایک کارخانے میں کام کرتے تھے اور تنخواہ تین سو روپئے مہینہ تھی۔ اس تنخواہ کے علاوہ پچیس بیگھہ زمین تھی۔ اس زمین سے انھیں بڑی آمدنی تھی۔ غلّہ انھیں خریدنا نہیں پڑتا تھا بلکہ اتنا پیدا ہوتا کہ گھر کا زیادہ تر خرچ اسے بیچ کر پورا کر لیا جاتا۔ تنخواہ میں سے دو ڈھائی سو روپیہ ہر مہینہ بچ جاتے۔ کھانے والے تین آدمی تھے۔ ایک خالہ دوسرے ان کے شوہر تیسری ان کی بچی۔ خالہ نے سنا کہ غریبی کی وجہ سے شوکت اور رحمت کی تعلیم رُک گئی تو وہ اپنی بہن اور بہنوئی سے آکر ملیں۔ بولیں ’’جہاں تک پڑھائی کے لئے خرچ کی بات ہے تو اللہ کا دیا ہمارے گھر بہت ہے۔ بچوں کے خالو اتنا کما لیتے ہیں کہ شوکت اور رحمت کیا ایسے ایسے دو اور بچوں کا خرچ اٹھا سکتے ہیں تو بہن خرچ کے ڈر سے پڑھائی بند نہ کرو۔‘‘

بڑی بہن کی یہ باتیں سنیں تو شوکت کے والدین نے انھیں بڑی دعائیں دیں۔ لیکن شہر بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انھوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ شہر میں لڑکے بُری صحبتوں میں پڑکر خراب ہو جائیں گے۔ خالہ نے اس کی بھی ذمّہ داری لی کہ بچوں کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوگی اور وہ بگڑنے نہیں پائیں گے۔

اسی طرح دن بھر باتیں ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک لڑکے کے بارے میں سمجھوتہ ہو گیا کہ اُسے لے جا سکتی ہیں۔ خالہ شوکت کو لے کر شہر چلی گئیں۔ رحمت گھر پر رہ گیا۔ شہر پہنچ کر خالہ نے شوکت کو ایک سرکاری اسکول میں داخل کرا دیا اور یہاں رحمت کو والدین نے گھر ہی پر دس بیس روپیہ کا سامان لا کر دیا اور کہا۔ ''لو بیٹا! اسے بیچو اللہ برکت دے گا۔''

رحمت گھر ہی پر چھوٹی چھوٹی چیزیں بیچنے لگا۔

ماں باپ اسے بتاتے جاتے کہ دیا سلائی اتنے پیسوں کی بیچو۔ سوئی دھاگے اس حساب سے اور صابن اس حساب سے۔ رحمت سیدھی سادی طرح سودا لانے اور بیچنے لگا۔

شوکت کو اپنی خالہ کی نگرانی میں پڑھتے ہوئے ایک سال ہو گیا۔ سال بھر کے عرصے میں وہ تین بار اپنے گھر آیا۔ جس وقت وہ اپنے گاؤں میں پڑھتا تھا، محنت کرنے کا عادی تھا۔ اس نے سال بھر خوب محنت کی۔ سالانہ امتحان ہوا تو وہ اول

نمبر پاس ہوا۔ اس کی خالہ بہت خوش ہوئیں۔ سال بھر کے بعد جب وہ گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی رحمت گھر پر ایک چھوٹی سی دکان پر چھوٹے چھوٹے سودے بیچ رہا ہے۔ اس نے والدین سے کہا۔ ''اگر رحمت کو بھی خالہ جان کے یہاں بھیج دیا جاتا تو وہ بھی وہاں پڑھتا۔ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بیچنے میں کیا دھرا ہے۔ وہاں پڑھ کر کوئی سند لے لیتا تو سوڈیڑھ سو کی نوکری کہیں نہیں گئی۔

والدین نے شوکت کی یہ بات سنی تو انھوں نے کہا۔ ''بیٹا! کیا تم اس لئے پڑھتے ہو کہ پڑھنے کے بعد نوکری کرو؟'' شوکت نے جواب دیا۔ ''ابا جان! سارے لڑکے اسی لئے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔''

ماں باپ یہ سن کر چپ ہو گئے۔ انھوں نے اتنا تو کہا کہ تعلیم تو اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ انسان انسان بنے، اپنے کو پہچانے، اپنے اصل مالک کو پہچانے، نیکی اور بدی کو پہچانے، نہ کہ اس لئے پڑھے کہ سند حاصل کر کے دوسروں کی نوکری کرتا پھرے۔

اس کے بعد شوکت کے والدین نے دیکھا کہ شوکت کی نمازیں گنڈے دار ہونے لگیں۔ کسی وقت کی پڑھتا ہے، کسی وقت کی نماز نہیں پڑھتا۔ پھر ایک دن یہ بھی دیکھا گیا کہ رحمت کی دکان پر مٹی کا تیل نہیں تھا اور اسی وقت گاہک بھی زیادہ آ گئے۔ رحمت نے شوکت سے کہا۔ ''بھائی جان! بازار سے ایک پیپا

تیل لے آیئے۔‘‘

اس بات کا جو جواب اب شوکت نے دیا، اس سے والدین دنگ رہ گئے۔اس نے کہا۔’’میں یہ چھوٹے چھوٹے کام کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوا ہوں، میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں گا۔‘‘

دوسرے سال شوکت پھر خالہ کے یہاں چلا گیا۔شوکت کے والدین نے خالہ کو لکھ دیا کہ شوکت نے امتحان تو اوّل نمبر میں پاس کیا ہے۔لیکن اس کے خیالات بگڑنا شروع ہو گئے۔نمازیں بھی گنڈے دار ہو گئیں۔اگر یہی حال رہا تو اس سال نماز پڑھنا تو وہ چھوڑ دے گا۔اگر اس نے نماز پڑھنا چھوڑ دی تو وہ بُرائیوں کی طرف بڑھے گا اور پھر بُرائیوں میں پڑ کر تعلیم بھی حاصل نہ کر سکے گا۔

یہ خط خالہ نے پڑھا۔لیکن انھوں نے زیادہ پروانہ کی۔کچھ یوں ہی شوکت کو سمجھا دیا۔شوکت نے شہر کے لڑکوں میں پڑ کر پہلے تو نماز چھوڑ دی اس کے بعد کھیل تماشوں میں پڑ گیا۔سنیما دیکھنے جانے لگا۔اب پڑھائی میں بھی کمی آنے لگی،تو پڑھنے میں کمزور ہونے لگا۔چھ ماہی امتحان میں ایک غریب لڑکا حمید اس سے نمبر لے گیا۔شوکت دوم نمبر پر کامیاب ہوا۔حمید اوّل نمبر۔پھر جب سالانہ امتحان ہوا تو شوکت سوم نمبر میں پاس ہوا تو کئی لڑکے اس سے نمبر لے گئے۔

دوسرے سال جب وہ گھر آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ شرٹ اور پتلون پہنے

تھا۔ اس کے سر پر انگریزی بال تھے اور مانگ نکلی ہوئی تھی۔ نماز اس نے بالکل ہی چھوڑ دی تھی۔ والدین نے پوچھا:

''بیٹا! اس سال کس نمبر میں پاس ہوئے ہو؟''

اس نے کسی قدر شرماتے ہوئے کہا۔ ''نمبر ومبر کیا، بس پاس ہو گیا۔''

والدین سن کر چپ ہو گئے۔

رحمت برابر دکان داری کئے جا رہا تھا۔ نمازیں وقت پر پڑھتا۔ دو سال میں وہ دکان داری کے ڈھب بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔ وہ بہت کم نفع پر سودا بیچتا رہا۔ بے ایمانی سے ہمیشہ بچتا رہا۔ محلے میں سارے ہی لوگ اس سے سودا لیتے اور سب اس سے خوش تھے۔ رحمت کی دکان پر سال دو سال میں اتنا ہو سکا کہ سو ڈیڑھ سو کا سامان ہر وقت رہتا تھا۔ گاؤں کے سبھی لوگ اس سے خوش تھے۔

تیسرے سال شوکت بڑی چھٹیوں میں گھر آیا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ بالکل بدل چکا تھا۔ نماز تو اس کی پچھلے سال ہی چھوٹ چکی تھی۔ نماز چھوڑنے سے اس کی اچھی باتیں بھی دھیرے دھیرے ختم ہو گئیں اور ان کی جگہ بُری باتوں نے لے لی۔

پہلے وہ سیدھا سادا، بھولا بھالا اور بڑا تہذیب دار لڑکا تھا۔ ملنے والوں کو

پہلے سلام کرتا، اب وہ بڑا مغرور اور شریر ہو گیا۔ سلام کرنے کے بدلے وہ دوسروں سے شرارتیں کرتا۔ سیدھے سادھے بچوں کا مذاق اڑاتا۔ ایک دن تو اس نے غضب ہی کر دیا۔ مغرب کا وقت تھا۔ اس نے کیلے کے چھلکے راستے میں ڈال دیئے۔ مغرب کے بعد کئی نمازی ادھر سے نکلے۔ چھلکوں پر ان کے پاؤں پڑے اور وہ گرتے گرتے بچے۔ شوکت یہ تماشا دیکھ دیکھ کر ہنستا۔

اب آئے اس کے ابا۔ ان کا پاؤں بھی چھلکوں پر پڑا۔ وہ پھسلے سنبھل نہ سکے اور اچانک گر پڑے۔ شوکت نے باپ کو گرتے دیکھا۔ اس سے یہ تو نہ ہوا کہ دوڑ کر باپ کو اُٹھاتا۔ الٹے ہنسنے لگا۔ اس کا چھوٹا بھائی مسجد سے آ رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر باپ کو اٹھایا اور سہارا دے کر گھر لایا۔ باپ کی کمر میں جھٹکا آ گیا تھا۔ بے چارے کئی دن بے چین رہے۔ شوکت کا دل کچھ بھی نہ پسیجا۔ ہاں رحمت ایسا تھا جو اپنی دکان کا ہرج کر کے باپ کی کمر میں تیل بھی مَلتا اور سینکتا بھی۔

شوکت ڈیڑھ مہینہ گھر پر رہا۔ وہ دن بھر آوارہ لڑکوں کو لئے باغوں اور تالابوں کی سیر کرتا رہا۔ چھٹی گذار کر جس دن وہ اپنی خالہ کے یہاں گیا۔ اُسی دن شام کو رحمت نے باپ سے کہا۔ ''دکان سے سو روپیوں کی گڈّی غائب ہے۔'' وہ اور باپ دونوں سمجھ گئے کہ چرانے والا شوکت کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ دونوں شہر پہنچے۔ شوکت سے ملے اس کو لاکھ سمجھایا بجھایا۔ لیکن وہ انکار ہی

کرتا رہا کہ میں نے نہیں لئے۔

رحمت باپ کے ساتھ بہت ہی اداس اداس واپس آیا۔ اس کے لئے سو روپیوں کی یہ چوٹ بہت بڑی چوٹ تھی۔ اس نے تین برسوں میں جو کچھ کمایا تھا وہ چور لے گیا۔ دو تین دن تک بڑا رنج رہا۔ پھر اس نے اپنے دل کو سمجھایا، اللہ کی مرضی یہی تھی اور اس میں کچھ نہ کچھ بہتری ہی ہوگی۔

رحمت نے ان سو روپیوں کے بارے میں سوچا تھا کہ شہر جائے گا، اور سو روپئے کا مال لائے گا۔ اس طرح گاؤں والوں کو اور زیادہ سستا مال مل سکے گا۔ سو روپیوں کے گم ہو جانے سے اس کے دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا۔

اس نے گاؤں کے کچھ لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ جمعہ کو شہر جاؤں گا۔ جمعہ کی نماز بھی وہاں پڑھوں گا اور سامان لاؤں گا۔ اگر آپ کچھ سامان منگانا چاہیں تو لیتا آؤں۔ لوگوں نے اس سے بتایا تھا کہ وہ ضرور سامان منگائیں گے۔

جمعہ کا دن آیا تو رحمان چاچا نے اُسے بلایا۔ اُسے پچیس روپئے دیئے اور کہا کہ ہمارا سامان لیتے آنا۔ سامان کا پرچہ یہ ہے۔ لو، رحمت نے کہا۔ ''چاچا! اب میں شہر نہیں جاؤں گا۔''

''کیوں؟'' رحمان چاچا نے پوچھا تو بتایا کہ روپئے چوری ہو گئے۔ رحمان چاچا افسوس کرنے لگے۔

رحمت وہاں سے گھر آ رہا تھا کہ راستے میں رسول بھائی ملے۔ انھوں نے کہا۔ ''میاں رحمت! میں تو تمہارے ہی پاس جا رہا تھا۔ بھیا! یہ لو بیس روپے شہر سے کچھ کپڑا لیتے آنا۔ وہاں بہت سستا ملے گا۔''

رحمت نے جواب دیا۔ ''اب میں شہر نہیں جاؤں گا۔''

''کیوں؟'' رسول بھائی نے پوچھا تو بتایا کہ روپے چوری ہو گئے۔

رسول بھائی افسوس کرنے لگے۔ ان کو سلام کر کے رحمت آگے چلا تو مکھیا کا آدمی ملا۔ وہ مکھیا کے پاس بلا لے گیا۔ مکھیا نے کہا۔

''رحمت میاں! تم بڑے محنتی اور ایمان دار لڑکے ہو۔ سنا ہے آج تم شہر جا رہے ہو۔ سو روپے کا ہمارا سودا بھی لیتے آنا اور دیکھو سو روپے کا سودا خریدنے میں تمہارا وقت لگے گا تم کو محنت کرنا پڑے گا۔ تم دو روپے اس میں سے اپنی محنت کے (بطور کمیشن) لے لینا باقی جو کرایہ بھاڑا ہو گا وہ آدھا الگ سے لے لینا۔''

رحمت نے کہا۔ ''بابا! اب میں شہر نہیں جاؤں گا۔''

''کیوں؟'' مکھیا نے پوچھا تو بتایا کہ میرے سو روپے چوری ہو گئے۔

''ارے میاں! یہ کیا غضب ہوا۔ میں نے آج کے لئے بڑی ضروری ضروری چیزیں منگانے کے لئے لکھ رکھی تھیں۔ اب کیا ہو؟''

مکھیا سوچ میں پڑ گئے۔ رحمت نے انھیں بتایا کہ ''رسول بھائی اور

رحمان چاچا بھی کچھ سامان منگانے والے تھے۔ ان بے چاروں کا سامان آنے سے رہ گیا۔''

''ان کا کتنے کا سامان تھا؟''

''پچیس کا رحمان چاچا کا اور بیس کا رسول بھائی کا یعنی ۴۵ روپئے کا۔''

''رحمت میاں! جاؤ ذرا دونوں کو میرے پاس بلا تو لاؤ میری سمجھ میں ایک بات آرہی ہے۔ ان سے کہوں گا۔''

رحمت جا کر دونوں کو بلا لایا۔ مکھیا نے ان سے کہا کہ رحمت نہایت ایمان دار اور محنتی لڑکا ہے۔ ہم آپ لوگ مل کر کیوں نہ ایسا کریں کہ ۵ پیسے فی روپیہ اس کا کمیشن مقرر کر دیں اور کرایہ بھاڑا بھی دے دیں۔ اور رحمت ہمارا سامان ہر مہینے شہر سے لا دیا کرے۔ کمیشن اور کرایہ بھاڑا دینے کے بعد ہمیں ایک روپیہ پر زیادہ سے زیادہ سات آٹھ پیسے دینا پڑیں گے۔ گاؤں کے دکان دار تو سوائے اور ڈیوڑھے منافع پر بیچتے ہیں۔''

یہ بات سب کی سمجھ میں آگئی۔ رحمت نے کہا۔ ''میں ابا سے پوچھ لوں۔ رحمت نے باپ سے جا کر پوچھا۔ تو دو ایک اور بڑے بوڑھوں سے مشورہ ہوا۔ سب نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ بچہ ہے۔ روپیہ اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔ پھر سب نے رحمت سے پوچھا تو رحمت تیار ہو گیا اور پھر اس کے تیار ہونے پر

سب نے رحمت کو اجازت دے دی۔

یہ بات گاؤں بھر میں مشہور ہوگئی تو دو تین اور بڑے بڑے آدمیوں نے دس دس بیس بیس روپئے دیئے کہ بھئی! ہمارا بھی سامان لیتے آنا۔ جس وقت رحمت شہر کو روانہ ہو رہا تھا۔ اُس وقت اس کے پاس گاؤں والوں کے دو سو روپئے سے زیادہ جمع ہو گئے تھے۔

رحمت نے باپ سے کہا۔ ''ابا! پہلا پہلا معاملہ ہے۔ آپ بھی ساتھ ساتھ چلئے۔'' اس کے ابا بھی یہی سوچ رہے تھے۔ وہ ساتھ گئے۔ رحمت نے بازار میں گھوم پھر کر سامان خریدا۔ دیکھ بھال کر اچھے سے اچھا سامان لیا۔ اب اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ بنئے یہاں سے سامان لے جا کر گاؤں والوں کو کتنا مہنگا دیتے ہیں۔ اس نے حساب لگایا تو اُسے معلوم ہوا کہ ایک روپیہ کا ڈیڑھ روپیہ بلکہ دو تک بناتے ہیں۔

دو سو روپئے کا سامان لے جا کر اس نے مکھیا کے سامنے رکھا اور کمیشن اور بھاڑا نکال کر دیا تو ان کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ''اتنا سستا؟'' ان کی زبان سے نکلا، جن لوگوں کا سامان تھا انھیں دیا گیا۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے اور اسی جگہ یہ طے کر لیا گیا کہ رحمت کو ہر پندرہ دن کے بعد شہر بھیج کر اسی طرح سامان منگا لیا جائے گا۔ رحمت خوش تھا کہ شہر کی سیر بھی کی، بازار کا

بھاؤ بھی دیکھا اور دس روپئے کمیشن کے مل گئے۔

اب پندرہ دن کے بعد رحمت بازار جانے لگا تو اور کچھ لوگ بھی سامان منگانے لگے۔

رحمت نہایت ایمانداری کے ساتھ سودا لا کر دینے لگا۔ دوسرے ہی مہینے وہ ہر پندرہ دن کے بعد دو تین سو کا مال شہر سے لاتا اور دس پندرہ روپئے ہر پھیرے میں اُسے کمیشن کے مل جاتے۔

شہر کے بیوپاریوں نے بار بار رحمت کو آتے دیکھا اور اُسے ایماندار سمجھا تو انھوں نے اُسے رائے دی کہ ہم سے سودا سو کا اُدھار مال لے جایا کرو، بیچ کر پیسے دے دیا کرو۔ پہلے تو رحمت اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ لیکن پھر جب اس نے باپ سے مشورہ کیا اور دیکھا کہ دکان میں مال نہیں ہے تو وہ شہر سے ادھار مال لانے لگا۔ پندرہ دن میں جتنا مال بکتا اس کے دام بیوپاریوں کو دے آتا۔ اس طرح کی دکان میں سامان بڑھنے لگا۔ اب کمیشن میں اس کو پچاس ساٹھ روپئے مل جایا کرتے تھے۔ اس طرح اس کی دکان پھر دھیرے دھیرے چمک اُٹھی۔ سال بھر کی کوشش میں اب اس کی دکان پر اُدھار اور نقد کا ایک ہزار کا مال تھا اور گاؤں والوں کو ہر قسم کا مال اس کے یہاں سے مل جایا کرتا تھا۔ رحمت نے اللہ کا شکر ادا کیا اور نہایت خاموشی، ایمانداری اور محنت

کے ساتھ دکان داری میں لگا رہا۔

سچی بات یہ تھی کہ اپنے بھائی کے سو روپئے شوکت ہی چُرا لے گیا تھا۔ یہ سو روپئے شوکت کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رہے۔

ایک ہفتہ ہی میں اس نے خرچ کر ڈالے۔ ''مالِ غنیمت دلِ بے درد'' والی مثال کا مطلب ہی یہی ہے کہ جو مال محنت کے بغیر ہاتھ آتا ہے وہ بڑی بے دردی سے خرچ بھی ہو جاتا ہے۔ شوکت نے ایسا ہی کیا۔ روپیہ دیکھ کر کئی بُرے لڑکے اس کے دوست ہو گئے۔ ان لڑکوں کے ساتھ اس نے دن میں دو دو بار سنیما دیکھا۔ خوب چاٹ اُڑائی، آئس کریم کھائی۔ ایک پورا ہفتہ شوکت نے آدھی رات تک سنیما دیکھا اور دن بھر پیٹ میں الّم غلّم ڈالتا رہا۔ ان دِنوں وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکا اور اس طرح اس کا ہاضمہ خراب ہو گیا۔ اسکول میں پڑھ بھی نہ سکا۔ رات کے جاگنے سے اس کو اسکول میں نیند آتی، استاد ڈانٹتے۔ مگر ان کے ڈانٹنے سے کیا ہوتا ہے۔ نیند آتی ہے تو کسی کے بنائے کچھ نہیں بنتا۔

ہاضمہ خراب ہونے سے شوکت بیمار ہو گیا۔ بیمار ہو کر خالہ کے گھر پڑا رہا۔ اسے پہلے زکام ہوا، پھر کھانسی کی پھانسی لگی۔ پھر بخار آیا اور دیکھتے دیکھتے اُسے ٹائیفائڈ ہو گیا۔ وہ تین ہفتہ چارپائی پر پڑا رہا۔ تین ہفتے کے بعد بخار نے پیچھا چھوڑا۔ بخار کے بعد پندرہ بیس دن تک وہ اور بھی اسکول نہ جا سکا۔ اس بیماری

میں وہ قریب ڈیڑھ مہینے غیر حاضر رہا۔ اب وہ جب اسکول گیا تو استاد آگے بہت کچھ پڑھا چکے تھے۔ اس نے اپنے دوستوں سے کہا۔ ''اب کیا کیا جائے۔'' اس کے ساتھی سب بُرے تو تھے ہی، انھوں نے کہا۔ ''غم نہ کرو، امتحان کے موقع پر پہلے تو یہ کوشش کریں گے کہ پرچہ آؤٹ کرلیں، یہ نہ ہوسکا تو مشہور سوالوں کے جوابات گھر سے لکھ کر لے جائیں گے اور ان سے ملا کر جواب لکھ لیں گے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوسکا تو جس کے پاس کاپیاں دیکھنے کے لئے جائیں گی اس کا پتہ لگالیں گے۔ اس کی خوشامد کرکے نمبر بڑھوالیں گے۔''

''اور...... اگر نمبر نہ بڑھائے اس نے یا امتحان کے وقت ماسٹر نے نقل کرتے ہوئے دیکھ لیا تو؟'' شوکت نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

''تو پھر یہ دیکھو، رامپور کا کرّے دار چاقو۔'' جلال نے چاقو شوکت کو دکھایا، شوکت نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

اس کے بعد شوکت نے سال بھر کچھ نہ پڑھا۔ بُرے لڑکوں کے ساتھ گھومتا پھرتا رہا۔ خالہ جان نے شکایت سنی۔ خالہ نے سمجھایا۔ لیکن شوکت اب بگڑ چکا تھا۔ خالہ نے غصے میں آکر اس کا جیب خرچ بند کردیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شوکت نے چھوٹی چھوٹی چوریاں شروع کردیں۔ اسکول میں کسی کا قلم پار کردیا۔ کسی کی کتاب اُڑادی۔ کسی کی جیب سے رقم غائب کردی۔ چوری کھلی تو

اسکول سے اس کا نام کٹ گیا۔

اسکول سے نام کٹ جانے سے اس نے اپنی توہین محسوس کی۔ جس ماسٹر نے اس کی رپورٹ کی تھی۔ اس کی تاک میں رہا۔ ایک دن اس نے ایک گلی میں ماسٹر کے چاقو مار دیا۔ بھاگا لیکن پکڑا گیا۔ مقدمہ چلا اور اسے جیل ہوگئی۔

یہ خبر خالہ نے اس کے باپ کو دی۔ بے چارا باپ دوڑا ہوا آیا۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ شوکت کو جیل بھگتنا پڑی۔ اور پورا سال اسی طرح برباد ہوا۔ جب وہ جیل سے چھوٹا تو دروازے پر اس کے ابّا ملے۔ انھوں نے کہا۔ ''بیٹا! بہت کچھ پڑھ لکھ لیا۔ اب گھر چلو۔''

شوکت سر جھکائے گاؤں پہنچا۔ شرم کے مارے بہت دِنوں تک گھر سے نہیں نکلا۔

''ماں باپ اور بھائی نے دیکھا کہ شوکت شرم کے مارے گھر سے نہیں نکلتا تو ایک دن سب بیٹھے۔ باپ نے شوکت کو اس طرح سمجھانا شروع کیا:

''بیٹا! شہر میں تم جس طرح بگڑے، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم تو بڑے اچھے لڑکے تھے۔ کالج کی تعلیم نے تم کو ایسا بنا دیا۔ آج کل کالجوں کے پڑھے ہوئے لڑکے ایسے ہی بنتے ہیں۔ ریل میں ٹکٹ کے بغیر سفر کرنا ان کی عادت ہے۔ پھر اگر کوئی ٹوکے تو اسے پیٹنا ان کا مزاج بن گیا ہے۔ اگر پولیس

روک ٹوک کرے تو ہڑتال کرانا اور توڑ پھوڑ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ امتحانات کے زمانے میں نقل کرنا، امتحانات کی نگرانی کرنے والے کو چاقو مار دینا، استاد کا ادب نہ کرنا یہ سب ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ اور بھئی! یہ تو یہ، کالجوں کے ٹیچر کون سے ولی اللہ یا دیوتا ہیں، اور پھر آج کل جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، اس میں دین و اخلاق کی بات کا پتہ تک نہیں۔ تو پھر ایسے ہی لڑکے پڑھ کر نکلیں گے۔ تو بیٹا! یہ جو کچھ ہوا، تمہارے کئی برس خراب ہوئے تو اس میں اس تعلیم کا زیادہ تر قصور ہے، جس کا تعلق دین و اخلاق سے نہیں...... میرا خیال ہے کہ ابھی تمہاری عمر پڑھنے کی ہے...... تمہارا ذہن بھی اچھا ہے...... تم جب تک یہاں گاؤں میں پڑھتے رہے تو اچھے نمبروں سے پاس ہوتے رہے۔ اگر اب بھی محنت سے پڑھو تو میں ایک ایسا مدرسہ بتاؤں جہاں حساب، جیومیٹری، تاریخ، جغرافیہ، انگریزی اور ہندی وغیرہ تو پڑھائی ہی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیم اور پھر خاص کر عربی کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے اور وہاں کے استاد بھی بڑے دین دار اور با اخلاق ہیں۔ اگر تم آدمی بننا چاہو اور پڑھنا چاہو تو میں تم کو اسی مدرسے میں بھیج دوں۔ خدا کے فضل و کرم سے تمہارے بھائی رحمت کی آمدنی اتنی ہے کہ تمہارے خرچ کے لئے گھر سے مدد مل سکتی ہے۔''

باپ یہ سمجھا کر خاموش ہو گیا۔ ماں اور بھائی نے بھی اسی طرح کہا۔ شوکت

نے سوچا کہ اُسے مدرسے میں چلے جانا چاہئے۔ یہاں رہ کر ہر ایک کے سامنے جھینپنا پڑتا ہے۔ اس مدرسے میں جا کر میں پھر سے نیک بننے کی کوشش کروں گا۔

یہ سوچ کر اس نے باپ سے کہا۔ ’’آپ مجھے اسی مدرسے میں بھیج دیجئے۔‘‘

مدرسہ گاؤں سے دو سو میل دور دکھن کی طرف تھا۔ باپ ساتھ گیا اور اس مدرسے میں داخل کرا دیا اور چلا آیا۔ گاؤں سے رحمت اپنے بھائی کے لئے تیس روپئے مہینہ بھیجنے لگا۔ رحمت کی آمدنی اب کئی سو روپئے مہینے کی تھی۔ اب وہ ایسا کرتا کہ پورے مہینے کا سودا شہر سے لے آتا اور مہینہ بھر تک سب کو دیتا رہتا۔ وہ سامان جس میں سیکڑوں روپئے کی رقم لگتی وہ ضرور ہر پندرہ دن کے بعد لاتا اور اسی طرح کہ لوگ روپیہ جمع کر دیتے۔ رحمت شہر جاتا۔ سب کو لا کر دیتا۔ کرایہ اور اپنا کمیشن لیتا اور ساتھ ہی وہ سامان بھی لے آتا جو اس کا دکان پر ختم ہو چکا ہوتا۔

یہ سب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بھائی کو تیس روپئے مہینہ دے کر رحمت کو خوشی ہی ہوتی اس کے دل میں یہ خیال ہرگز نہ آتا کہ اتنی رقم ہر مہینے دینے سے دکان میں گھاٹا ہوگا۔ وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس طرح اور زیادہ برکت ہوگی۔

اب شوکت اسلامی درس گاہ میں پڑھتا رہا۔ اسلامی درس گاہ کے تمام لڑکے اور سارے استاد نمازی تھے۔ وہ صبح سویرے اٹھتے، نماز پڑھتے،

تلاوت قرآن کرتے، پھر ناشتہ کر کے درس گاہ چلے جاتے۔ استاد بھی محنت سے پڑھاتے اور لڑکے بھی شوق سے پڑھتے۔ شوکت بھی انہی کے رنگ میں رنگنے لگا۔ وہ اپنے گاؤں کے مکتب میں پڑھ ہی چکا تھا۔ وہ بہت جلد پھر اچھا بننے لگا۔ اس نے وہ ساری حرکتیں چھوڑ دیں جو اس نے شہر کے اسکول میں سیکھی تھیں۔ وہ محنت سے پڑھنے بھی لگا۔ محنت سے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پڑھنے میں آگے بڑھنے لگا۔ سہ ماہی کے امتحان میں وہ اچھے نمبر تو نہ پاسکا ہاں تیسرے نمبر میں پاس ضرور ہو گیا۔ چھ ماہی کے امتحان میں وہ دوسرے نمبر پر آیا اور پھر سال بھر بعد وہ دوسرے نمبروں کے لڑکوں میں رہا۔ سالانہ امتحان میں وہ اسی نمبر سے پاس ہوا۔ سال بھر کے بعد وہ گھر آیا تو ماں باپ نے اس کے طور طریقے پھر اسلامی پائے۔ تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس سال وہ گھر آیا تو اپنے چھوٹے بھائی کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگا۔ اب اسے گھر کا کام کرنے میں شرم نہیں آتی تھی۔ وہ ڈیڑھ مہینہ گھر پر رہا۔ ڈیڑھ مہینے میں دوبارہ وہ رحمت کے ساتھ شہر گیا۔ اس کے ساتھ سامان وغیرہ خریدا اور ساتھ لے کر آیا۔

اس کے بعد جب دوسرے سال درس گاہ گیا تو اب وہ اوّل نمبر آنے کی سوچنے لگا۔ اب وہ دن رات اسی دھن میں لگا رہتا۔ دوسرے سال سہ ماہی کے امتحان میں اس نے اور زیادہ نمبر حاصل کیئے۔ چھ ماہی میں کچھ اور زیادہ اور پھر

سالانہ امتحان میں وہ سارے اسکول میں اوّل آیا۔اس کے بعد وہ پانچ سال تک درس گاہ میں پڑھتا رہا۔اور ہمیشہ اوّل آتا رہا۔سارے اُستاد اُس سے خوش تھے۔ اور وہ اپنی اس تعلیم سے خوش تھا۔ اس پانچ سال کے عرصے میں رحمت تیس روپئے مہینہ برابر بھیجتا رہا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب وہ گھر آیا تو وہ اپنے چھوٹے بھائی سے بہت محبت کرنے لگا تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی رحمت سے کہا۔ ''بھیّا! تم بہت محنت کرتے ہو، میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔'' یہ بات شوکت نے ماں باپ کے سامنے کہی تو رحمت نے کہا۔ ''بھائی جان! میں آپ کے بارے میں برابر سوچتا رہا ہوں کہ مولوی بننے کے بعد آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ میرے دل میں یہ ارمان ہمیشہ رہا کہ ہمارے گاؤں کا مکتب بھی اب بڑی درس گاہ بن جائے۔ میری آمدنی اب اتنی ہے کہ میں گھر بھر کے کھانے پینے کا بندوبست اچھی طرح کرلوں گا۔ میں سوچتا ہوں کہ آپ مکتب کی تعلیم کو آگے بڑھائیں اور اسے ویسی ہی درس گاہ بنادیں جیسی درس گاہ میں آپ پڑھ کر آئے ہیں۔''

یہ کہہ کر رحمت خاموش ہوگیا۔ ماں باپ بھی خوش ہو گئے۔شوکت بھی خوش ہوا۔مگر ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ اتنی بڑی درس گاہ کا خرچ کون برداشت کرے۔زیادہ سے زیادہ ایک مدرس کی تنخواہ اور اکٹھا ہوسکتی ہے۔

اس سوال پر رحمت خاموش ہوگیا۔اُس نے کہا کہ اچھا اس بارے میں گاؤں

کے سارے لوگوں سے رائے لے لی جائے۔شاید اللہ تعالیٰ کوئی ایسی صورت نکال دے کہ ہمارے گاؤں کے ہمارے یہیں اونچی سے اونچی تعلیم حاصل کرسکیں۔

شوکت نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور ماں باپ بھی۔ اس کے بعد رحمت نے جمعہ کے دن نماز کے بعد سارے گاؤں والوں کو مسجد میں اکٹھا ہونے کے لئے اعلان کر دیا۔ اعلان کرنے کے بعد وہ گاؤں کے لوگوں سے ملتا بھی رہا۔ اور اپنا مطلب کہتا رہا۔ لوگ بھی سوچنے لگے کہ کس طرح بڑی درس گاہ کا انتظام یہاں پر کیا جاسکتا ہے۔

اس جمعہ کو مسجد میں بہت زیادہ نمازی آئے۔آس پاس کے گاؤں سے بھی لوگ آئے۔جس وقت شوکت تقریر کرنے کھڑا ہوا اس وقت مسجد بھری ہوئی تھی۔ شوکت نے نماز جمعہ کے بعد تقریر شروع کی۔ پہلے اُس نے قرآن اور حدیث کے حوالے سے یہ بتایا کہ دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ پھر ایک حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ چاہے دور دور تک جانا پڑے۔ پھر بھی دین کا علم سیکھنے جانا چاہیے۔شوکت نے اس بات پر تو بہت ہی زور دیا کہ دین کا علم سیکھے بغیر کوئی مسلمان نہ تو اللہ کی عبادت ہی ٹھیک سے کرسکتا ہے اور نہ لوگوں سے اپنا معاملہ ہی درست رکھ سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ڈر ہے کہ اس کا عقیدہ بھی صحیح نہ ہو۔ دین کا علم سیکھے بغیر تو وہ بس جیسا جی چاہے گا ویسا کرے گا۔

حالانکہ اسلام نام ہے اس کا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اللہ کی عبادت کرنے کو بتایا۔ اسی طرح عبادت کی جائے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بارے میں جو عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ کو مانا جائے۔ اور جس طرح پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ہر معاملے کو کرتے تھے اسی طرح معاملے کئے جائیں اور یہ بات اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب ہمیں دین کا علم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ضروری قرار دیا ہے۔ اب اگر آپ صاحبان سچ مچ مسلمان بننا چاہتے ہیں تو دین کا علم خود سیکھئے اپنے بچوں کو سکھایئے وغیرہ وغیرہ۔

شوکت نے اس طرح تقریر کی تو جو لوگ جمع تھے۔ سب نے یہی کہا کہ ہاں ہمارے بچوں کے لئے کوئی ایسا مدرسہ ضرور ہونا چاہئے۔ جس میں بچے پڑھیں، جو کچھ پڑھیں، اُسے کر کے بھی دکھائیں تاکہ ان کی عادت پڑے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ایسا مدرسہ چلانے کے لئے خرچ کہاں سے آئے؟ ایسے مدرسے کے لئے کم سے کم تین چار مدرس تو ہونا ہی چاہئے۔ مکتب میں صرف ایک ہی مدرس ہے۔ باقی مدرّسوں کا خرچ کیسے اور کہاں سے ہو؟

یہ سوال ٹیڑھا تھا۔ مگر جب خدا مہربان ہوتا ہے تو سارے کام بن جاتے ہیں۔ اسی مجمع میں ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے کہا۔ ''بھائیو! میں نے

یورپ کے گاؤں میں مدرسے چلتے دیکھے ہیں۔ وہاں کا طریقہ یہ ہے کہ گھر کی عورتوں سے کہہ دیا گیا ہے کہ جب کھانا پکانے کے لئے آٹا نکالیں تو ایک مٹھی آٹا ایک مٹکی میں ڈال دیا کریں۔ یہ آٹا ہر پندرہویں دن مدرسے کی طرف سے اکٹھا کرلیا جاتا ہے۔ یہ آٹا اتنا ہوتا ہے کہ مدرّسوں کا کام چل جاتا ہے اور کسی طرح کی پریشانی نہیں ہوتی۔''

یہ سن کر سب خوش ہو گئے۔ بولے۔ ''یہ تو بڑا آسان طریقہ ہے۔'' پھر اندازہ لگایا جانے لگا کہ صرف ہمارے گاؤں سے کتنا آٹا مل سکتا ہے۔ گاؤں میں اسّی گھر تھے۔ ہر گھر سے ایک چھٹانک آٹا مل سکتا ہے۔ ہر روز ملے تو اسّی چھٹانک یعنی پانچ سیر ہر روز مل جائے۔

ابھی اندازہ اسی گاؤں کا لگایا جارہا تھا کہ رحمت خوش ہوکر بول اٹھا:

''بھائیو! خدا پر بھروسہ کرو۔ وہی سارے کام بنانے والا ہے۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے۔ کام کا ہونا اور نہ ہونا سب اللہ کے بس میں ہے۔''

لیجئے، طے پا گیا کہ اسی گاؤں میں ایک ایسا مدرسہ اسلامیہ قائم ہونا چاہئے جس میں بچوں کو اسلامی تعلیم دی جائے۔ اس مدرسہ کا ناظم شوکت کو بنایا گیا۔ دوسرے ہی دن سے آس پاس کے گاؤں سے بچے آنا شروع ہو گئے۔ مکتب میں تین چھپّر ڈالے گئے اور پڑھائی شروع ہوگئی۔

مکتب میں ایک مدرس تو تھا ہی۔ اب شوکت نے بھی پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد ایک حافظ قرآن بھی مل گئے۔ جو بہت اچھے قاری بھی تھے۔ یہ سب ایک سال کے اندر ہوا۔ لیکن سال بھر کے بعد آٹے کی وصول یابی میں سستی آنے لگی۔ تو سب سے زیادہ جس کو فکر ہوئی وہ تھا رحمت۔ رحمت یہ سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی ایسی شکل پیدا فرما دے کہ مدرسے کا کام نہ رکے۔ سوچتے سوچتے اس نے ایک تدبیر ڈھونڈ نکالی۔ اس نے اپنے بڑے بھائی مولانا شوکت صاحب سے مشورہ کیا۔ کہا کہ بھائی صاحب! میں نے ایک کام سوچا ہے۔ اگر وہ ہو جائے تو اسکول کا کام بھی آسانی سے ہو سکتا ہے اور بہت سی بیوہ عورتوں کو روزی بھی آسانی سے مل سکتی ہے۔ میں نے سوچا ہے کہ آپ پہلے اپنے گاؤں میں پھر آس پاس کے گاؤں میں گھوم پھر کر جتنی بیوہ عورتیں ہوں ان کی فہرست بنا لیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسی بہت سی عورتیں ہوں گی۔ آپ یہ بھی معلوم کریں کہ ان میں سے سلائی مشین کس کے پاس ہے اور کس کے پاس نہیں ہے۔ یہ معلوم کرنے کا منشاء یہ ہے کہ ایسی عورتوں کو ایک قاعدے سے کام دیں۔ کام کے لئے لوگوں کو بتائیں کہ وہ اپنے کپڑے سلوانے کے لئے ہم سے مشورہ کریں۔ ایک طرف تو ہم لوگوں کو کم سلائی پر کپڑے سلوا کر دیں۔ دوسری طرف بیوہ عورتوں کو کام مل جائے۔ اس طرح یہ کام آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

رحمت کی یہ بات شوکت کی سمجھ میں آ گئی۔ شوکت نے محنت کر کے پندرہ بیس دن میں ایسی فہرست تیار کر دی۔ اس کے بعد ایک جمعہ کو رحمت نے پھر ایک بڑا اجتماع کیا۔ اس اجتماع میں شوکت نے اپنی تقریر میں کہا کہ آپ اپنے کپڑے سلوانے کے لئے ہم سے مشورہ کریں۔ ہم کم سلائی پر کپڑے سی کر دیں گے۔ کپڑے ایسی عورتوں سے سلوا کر دیں گے جو بیوہ ہیں۔ اسی طرح ایک طرف ان بیوہ عورتوں کو گھر بیٹھے روزی مل جائے گی۔ کپڑوں کی سلائی کی اجرت اگر درزی ایک روپیہ لیتا ہے تو آپ ہمیں بارہ آنے دیجئے۔ ان بارہ آنوں میں دس آنے تو ہم ان بیوہ عورتوں کو دیں گے اور دو آنے بچا کر اسکول کے کام میں لائیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس تجویز میں سب کا فائدہ تھا۔ سب نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر ایک ایک، دو دو، چار چار کپڑے آنے لگے۔ شوکت نے مدرسہ کی صفائی کے لئے ایک آدمی رکھا۔ اسی کے ذریعہ یہ کپڑے بیوہ عورتوں کو سلائی کے لئے دیئے جانے لگے۔ ایک مہینہ کے اندر ہی اس کا فائدہ سامنے آ گیا۔ بیوہ عورتیں اچھے سے اچھا سینے کی کوشش کرنے لگیں۔ جن کے پاس مشینیں نہیں تھیں۔ رحمت نے ان کے لئے اُدھار مشینیں خریدوا دیں۔ اس طرح سال بھر کام ہوا۔ تو آس پاس کے گاؤں والوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب نہ بیوہ عورتوں کے لئے روزی کمانا مشکل تھا اور نہ مدرسے کے لئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کا سوال تھا۔ رحمت اور مولانا شوکت صاحب نے نہایت ایمانداری، محنت اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس

کام کو سنبھالا۔ کہتے ہیں کہ پانچ سال کے اندر سارے ملک میں اس مدرسے کا نام مشہور ہو گیا۔ اب اس مدرسے میں اسلامی تعلیم پوری کی پوری ہوتی ہے۔ یعنی شروع کے درجوں میں اردو کے ذریعہ پھر دھیرے دھیرے حساب جغرافیہ وغیرہ اور پھر آخری درجوں میں عربی میں دین کا علم سکھایا جاتا ہے۔ اب جو طالب علم وہاں پڑھ کر نکلتا ہے، وہ پورا پورا مولوی ہوتا ہے۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے تدبیریں اور محنت کرے۔ رحمت اور شوکت نے اللہ کا فضل تلاش کیا۔ اللہ نے ان کے سامنے ایسی راہیں کھول دیں جن کو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور اس خدمت کا ثواب جو انھیں آخرت میں ملے گا اس کو انسان کیا جان سکتا ہے۔ وہ اللہ ہے جو اپنے نیک بندوں کو آخرت میں زیادہ سے زیادہ نعمتیں دے گا۔

اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم دین کی خدمت زیادہ سے زیادہ کر سکیں۔ آمین!

☆☆☆

موت

بہادر اس دن بہت خوش تھا۔ اس کے پرانے دوست حاجی کریم اس کے گھر آئے ہوئے تھے۔ بہادر حقے پر حقہ بھر بھر کر اسے پلا رہا تھا اور باتیں کر رہا

تھا۔ حاجی کریم کو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا کہ بہادر کے تین جوان بیٹے اور ان میں کوئی ایسا نہیں کہ جو بہادر کے بدلے خود حقہ بھر دے۔ شام ہوتے ہوتے حاجی کریم یہ بات جان گئے کہ بہادر کے بیٹے اس کے کہنے میں نہیں ہیں۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد بہادر نے پھر حقہ بھرا۔ حاجی کریم کی چارپائی کے پاس لاکر رکھا۔ کوئلہ اور تمبا کو بھی اسی جگہ لاکر رکھ دی اور پھر بولا۔ ''یار حاجی! تم بڑے برکتی آدمی ہو۔''

دوست کی زبان سے یہ سنا تو حاجی کریم خوش ہو گئے۔ انھوں نے سوچا، شاید آج اس کے دوست کو گھر بیٹھے کوئی دولت مل گئی۔ بولے۔ ''ارے یار بہادر! بتاؤ تو کیا بات ہے، جو اتنا خوش ہو؟'' ''ایک بات تو یہی۔'' بہادر نے بتایا کہ تم آئے ہوئے ہو۔ پھر آج ہی مجھے پانی کی باری مل گئی۔ یہ باری اچانک ہی مل گئی۔ میرے کھیت سوکھے جا رہے تھے۔ موٹے لوگ رشوت دے کر دو دو بار اپنے کھیتوں میں پانی دے چکے۔ ہم غریب آسمان تکتے رہے۔ آج بدلو کی باری تھی۔ اس نے اپنی باری مجھے دے دی۔ اس شرط پر کہ میں اس کا وہ کھیت بھی سینچ دوں جو میرے کھیتوں کے پاس ہے۔''

''تو تم کھیتوں میں پانی دینے جاؤ گے؟'' حاجی کریم نے پوچھا اور بہادر نے کہا۔ ''ہاں بھائی حاجی! اور وہ چلا گیا۔ حاجی کریم کو اب اور بھی دکھ ہوا۔ وہ

رات کو اپنے دوست بہادر سے نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے۔ وہ اکیلے رہ گئے۔ وہ حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ کچھ سوچ رہے تھے۔ اتنے میں بہادر کا بڑا بیٹا آیا۔ چارپائی کے پاس پڑی ہوئی ایک کھٹیا پر بیٹھ گیا اور حقے کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''حقہ پیو گے بیٹا!'' حاجی کریم نے حقہ اس کی طرف بڑھا دیا اور پوچھا ''تمہارے اور بھائی کہاں ہیں؟'' وہ دونوں ابھی کھانا کھا رہے ہیں۔

''اچھا اچھا'' حاجی کریم اچھا اچھا کہہ ہی رہے تھے کہ بہادر کے دوسرے بیٹے بھی آ گئے۔ اپنے بڑے بھائی کے پاس کھٹیا پر بیٹھ گئے۔ باری باری سے حقہ پینے لگے۔ تمباکو جل چکی تھی۔ بڑے لڑکے نے پھر چلم بھری اور حاجی کریم کی طرف حقہ بڑھایا۔

حاجی کریم حقہ پی رہے تھے اور بہادر کے تینوں جوان بیٹوں کو دیکھ رہے تھے۔ انھیں بڑا دکھ تھا کہ یہ تین کڑیل جوان گھر میں اور بہادر کھیتوں میں پانی دینے گیا۔ بیٹوں کو شرم نہیں آتی کہ بہادر کی بوڑھی ہڈّیوں کو اب بھی سکھ نہیں۔ اُن سے صبر نہ ہو سکا۔ انھوں نے پوچھ ہی لیا:

''تم باپ کا ہاتھ بٹانے کیوں نہ گئے؟''

''چچا میاں! آپ کو معلوم نہیں، یہاں آج کل ایک لکڑ بگھا لاگو ہو گیا ہے۔''

''اچھا......تو وہ بڑا نقصان کرتا ہوگا۔''

''ہاں اور کیا۔ نہ جانے کتنے جانور شکار کر چکا ہے اور چچا میاں! دو آدمیوں کو بھی اٹھا لے جا چکا ہے۔'' تب تو بہادر کو کھیتوں پر نہ جانا چاہئے تھا۔ خدانخواستہ لکڑ بگھا تمہارے باپ پر حملہ کر دے تو؟''

''ہم نے تو انھیں منع کیا تھا وہ مانے ہی نہیں۔''

''تو تم سب چلے جاتے۔ تم سب جوان ہو، لکڑ بگھے کو مار بھگا سکتے ہو۔ بہادر تو بوڑھا ہو چکا وہ اکیلا کیا کرے گا؟''

لڑکے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ جواب اُن سے نہ بن آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حاجی کریم نے کہا:

''مجھے آج ایک بات یاد آ رہی ہے۔ سنو گے؟''

''ضرور سنایئے چچا میاں!'' لڑکوں نے کہا۔ حاجی کریم نے کہنا شروع کیا:

''وہ بات میرے ایک پڑوسی کی ہے۔ میرا پڑوسی اتنا ہی بوڑھا تھا جیسا تمہارا باپ بہادر ہے۔ اس کے بھی تین لڑکے تھے۔ بالکل اتنے بڑے جیسے تم تینوں ہو۔''

''جاڑوں کے دن تھے۔ بادل گھرے ہوئے رات کو بوندا باندی ہونے لگی۔ بادل گرج رہے تھے۔ بجلی چمک رہی تھی۔ میرا بوڑھا پڑوسی اپنے بیٹوں کے

ساتھ اپنے دوچھپرے میں تھا۔ بجلی کی چمک میں اس نے دیکھا کہ کانسے کا کٹورا آنگن میں پڑا ہے۔ بوڑھے نے سن رکھا تھا کہ بجلی کانسے پر جلد آ کر گرتی ہے۔ اُس نے بڑے لڑکے سے کہا:

''جاؤ بیٹے! کٹورا آنگن سے اٹھا لاؤ۔'' لیکن لڑکے نے چپّی سادھ لی۔ بوڑھے نے دوسرے بیٹے سے کہا۔ وہ بھی کٹورا اٹھانے نہ گیا۔ بیٹھا ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ بوڑھے نے تیسرے بیٹے سے کہا۔ تیسرا لڑکا بھی نہ اٹھا۔

''بوڑھے کو بڑی فکر یہ تھی کہ بجلی چمک رہی ہے۔ کہیں کانسے پر نہ آپڑے۔ بوڑھا خود اٹھانے چلا۔ وہ آنگن میں پہنچا۔ جیسے ہی اس نے کٹورا اٹھایا کہ بجلی کڑکی۔ بوڑھا گھبرا گیا۔ چاہا کہ بھاگ کر دوچھپرے میں چلا جائے کہ دوچھپرے پر بھق سے ایک لَو ہوئی۔ بوڑھا ڈر کر کھڑا ہو گیا۔ بجلی دوچھپرے پر گری تھی۔ وہ تینوں لڑکے جل چکے تھے۔''

حاجی کریم کہتے کہتے چپ ہو گئے۔ ان کے چپ ہوتے ہی بہادر کے تینوں بیٹوں نے ایک ساتھ پوچھا۔ ''اور وہ بوڑھا باپ؟''

''وہ تو بچ گیا۔ وہ تو آنگن میں تھا نا۔''

''موت تو تھی ان تینوں کی۔ بوڑھا کیسے مرتا؟ ہے نہ چچا میاں۔''

''بے شک! جس کی موت کا وقت آ گیا ہے، وہ لاکھ بچے، بچ نہیں سکتا۔ اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا وہ کسی نہ کسی بہانے سے بچ جاتا ہے۔ سمجھے تم سب؟''

''بالکل سمجھ گئے ہم'' بڑے لڑکے نے کہا اور وہ لاٹھی اٹھا کر باپ کی مدد کے لئے چل دیا۔ اس کے پیچھے منجھلا بیٹا اور اس کے پیچھے چھوٹا بیٹا کدال لے کر اٹھا۔ لیکن بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو روک دیا کہ یہاں چچا میاں کو حقہ بھر بھر کر پلائے۔ ہم سب دو تین گھنٹوں میں آئے جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ بوڑھے بہادر نے اپنے دو بیٹوں کی مدد سے لکڑ بگھے کو مار گرایا۔

بات یہ ہوئی تھی کہ بہادر پانی کاٹ کر ایک پیڑ کی جڑ پر بیٹھا تھا کہ لکڑ بگھا آ گیا۔ اور جھپٹ پڑا۔ بہادر آہٹ پا چکا تھا۔ وہ بھاگا اور پیڑ کی آڑ میں ہو گیا۔ اب لکڑ بگھا اس کے پیچھے پڑ گیا۔ دونوں پیڑ کے گرد چکر کاٹ رہے تھے کہ بہادر کے بیٹے پہنچ گئے۔ وہ دونوں یہ تو سمجھ ہی گئے تھے کہ موت اپنے وقت پر آتی ہے اور جسے جس طرح مرنا ہے اسی طرح مرے گا۔ بس اس بات نے دونوں کو بڑا ہی نڈر بنا دیا تھا۔ دونوں نے اس حال میں دیکھا تو لکڑ بگھے پر پل پڑے۔ وہ دونوں پل پڑے تو بہادر نے بھی کدال اٹھائی اور اب......؟ اب ایسا ہوا کہ جب لکڑ بگھا کسی ایک پر جھپٹا تو دوسری طرف دونوں بھائی دو لاٹھیاں برساتے۔ لکڑ بگھا چوٹ کھا کر پھر کسی ایک کی طرف مڑتا تو دوسری طرف سے پھر دو آدمی پل پڑے۔ اس طرح بہادر اور اس کے بیٹوں نے لکڑ بگھے کو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ اس بہادری میں سرکار کی طرف سے پانچ سو روپئے کا انعام ملا۔ گاؤں والوں نے بھی بہت کچھ دیا۔

☆☆☆